© rasailojaraid.com

نظریہ قیام پاکستان

سیاسی بحران کے لیے حل کے لیے تجاویز

برطانوی راج سے پیدا شدہ مخصوص سیاسی صورت حال کے سیاسی حل کے لیے کئی مشاہیر نے علیحدہ علیحدہ ریاستوں کے قیام کی تجاویز پیش کی تھیں۔ ان میں سے چند ایک کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔

۱۔ ۱۹۲۸ء کی نہرو رپورٹ میں ہندو رہنماؤں نے مسلمانوں کی علیحدہ حیثیت کے بارے میں یہ لکھا تھا:

"ہندوستان میں مسلمان اپنی اقلیتی حیثیت کے باعث بحیثیت مجموعی یہ خوف رکھتے ہیں کہ اکثریتی گروہ ان کو پریشان کر سکتا ہے' اور اس مشکل کو حل کرنے کے لیے ان کے پاس ایک جدت آمیز تجویز یہ ہے کہ وہ کم از کم ہندوستان کے کسی ایک حصے میں غالب حیثیت حاصل کر لیں۔"

اس میں مسلمانوں کی علیحدہ ریاست کے قیام کے بارے میں ایک خفیف سا اشارہ ملتا ہے۔

۲۔ اسی تصور کو علامہ سر محمد اقبال نے ایک واضح شکل میں ۱۹۳۰ء کے الٰہ آباد کے خطبے میں پیش کیا:

"میری خواہش ہے کہ پنجاب' صوبہ سرحد' سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک ریاست بنا دیا جائے' سلطنت برطانیہ میں رکھ کر یا اس سے باہر رکھ کر خود مختار طرز حکومت رائج کیا جائے۔ شمال مغربی ریاست کا مقام مسلمانوں یا کم از کم شمال مغربی علاقوں کے مسلمانوں کا نوشتہ تقدیر ہے۔"

اس خطبے میں علامہ اقبال نے تاریخی' سیاسی اور معاشرتی حوالوں سے یہ ثابت کیا کہ مسلمان علیحدہ مزاج اور طرز معاشرت کے حامل ہیں۔ ان کی بقا اور بہتر مستقبل اسی میں ہے کہ وہ اپنی ایک الگ ریاست میں اپنی ضروریات کے مطابق ایک نظام حکومت بنائیں۔ انہوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے اس بات پر زور دیا کہ مسلمانوں کی علیحدہ حیثیت کی بنیاد کسی دوسری قوم سے نفرت پر نہیں ہے۔

۳۔ ۱۹۳۳ء میں چودھری رحمت علی نے ایک تجویز پیش کی۔ اس میں انہوں نے مسلمانوں کی علیحدہ ریاست کا نام "پاکستان" تجویز کیا۔ اس میں پنجاب، سرحد، کشمیر، سندھ اور بلوچستان کے علاوہ بنگال، آسام کے کچھ علاقوں اور ریاست حیدر آباد ملا کر ایک علیحدہ ریاست کو قائم کرنا تھا۔

۴۔ ۱۹۳۵ء کے آئین کے وفاقی قوانین اور بندوبست پر کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کو بجا طور پر یہ اعتراض تھا کہ اس پر عمل نہ ہونے سے سیاست کا مجموعی رجحان علاقائی ضروریات اور سیاسی تحفظات کی طرف چلا گیا۔ ایسی صورت حال میں مسلم اکثریت اور ہندو اکثریت کے علاقوں کی سیاست کا سلسلہ شروع ہو گیا جو ایک صورت میں دو علیحدہ قوموں اور منطقوں کی نشاندہی کرتا تھا۔

۵۔ ۱۹۳۸ء کو سندھ مسلم لیگ کانفرنس نے ایک واضح قرارداد پیش کی:

"یہ کانفرنس ہندوستانی قطعہ اراضی میں پائیدار امن کے مفاد میں، بغیر کسی رکاوٹ کے ثقافتی ارتقاء کے مفاد میں، اقتصادی اور سماجی بہتری اور دونوں اقوام جو ہندو اور مسلمان کہلاتی ہیں، کی سیاسی خود مختاری کے ضمن میں آل انڈیا مسلم لیگ کو یہ سفارش کرتی ہے کہ وہ ہندوستان کے لیے مناسب آئین کے بارے میں تمام سوالات پر نظر ثانی کرے اور ترمیم کرے تا کہ ان کو (دونوں قومیتوں کو) باعزت اور قانونی مرتبہ ان کے حق کے بق مل سکے اور اس ضمن میں کانفرنس یہ سفارش کرتی ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ ایسی آئینی سکیم وضع کرے جس کے تحت مسلمانوں کو مکمل آزادی مل سکے۔"

(بی کلاٹا Historic Documents : P. 196 Movement
(Pakistan

۶۔ ۱۹۳۹ء کو حیدر آباد دکن کے ڈاکٹر سید عبد اللطیف نے ثقافتی بنیادوں پر مسلمانوں کے چار اور ہندوؤں کے گیارہ ثقافتی خطوں کا اعلان کیا۔ مسلمانوں کے ثقافتی خطے یہ تھے۔

(i) شمال مغربی خطہ جس میں سندھ، بلوچستان، پنجاب شمال مغربی سرحدی صوبہ، اور ریاست ہائے فیروز پور و بہاولپور شامل تھے۔ اس میں [illegible] تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ii) شمال مشرقی خطہ جس میں مشرقی بنگال' آسام کے علاقے شامل تھے اور یہاں ۳۰ ملین مسلمان بستے تھے۔

(iii) دہلی' لکھنؤ بلاک جو پٹیالے کی مشرقی سرحدات سے لکھنؤ تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ خطہ ملحقہ علاقوں بہار اور یوپی سے مسلمانوں کو یہاں اکٹھا کرنے کے لیے تجویز کیا گیا تھا۔

(iv) دکن بلاک میں ریاست حیدر آباد کو ایک پٹی کے ذریعے سمندر سے ملانے کی تجویز دی گئی تھی۔ یہاں ۱۲ ملین مسلمان بستے تھے۔

اس سکیم میں ایک کمزور مرکز کی تشکیل کی تجویز دی گئی تھی' جس کے پاس دفاع' امور خارجہ' تجارت اور رسل ورسائل وغیرہ کے امور ہوں۔ اس اسکیم میں ہندوستان کی وحدت کی حمایت کی گئی تھی۔ اس تجویز کو ہندو اور مسلمان دونوں نے نامنظور کر دیا تھا۔ اس قسم کے کمزور مرکز کی تجویز سر سکندر حیات نے بھی دی مگر اسے بھی نامنظور کر دیا گیا۔

قرار داد لاہور

سید حسن ریاض نے اپنی کتاب "پاکستان ناگزیر تھا" میں اپنی قائد اعظم سے ملاقات کا تذکرہ اس طرح کیا ہے۔

> میں نے قائد اعظم سے کہا "مسلم لیگ اب کس مقصد کے لیے جدوجہد کر رہی ہے' کیا مسلمانوں کے لیے کچھ اور تحفظات لینے ہیں؟" انہوں نے تعجب سے میری طرف دیکھا اور بولے "آپ کا کیا مطلب ہے؟ میں نہیں سمجھا"
>
> میں نے کہا "گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء میں ہم نے تحفظات حاصل کیے اور تحفظات ہم کو اس سے پہلے بھی ملے مگر مسلمانوں کے حقوق اور مفادات کی حفاظت ان تحفظات کے ذریعے سے نہ پہلے ہوئی تھی اور نہ اب ہو رہی ہے لہٰذا میرا خیال ہے کہ اگر ہم صرف آئینی تحفظات کے لیے کوششیں کرتے رہے تو یہ بے فائدہ ہوگا"
>
> قائد اعظم نے کہا "پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟"
>
> میں نے کہا "اپنے حقوق ومفاد کی حفاظت کی طاقت"
>
> "تحفظات طاقت ہیں" قائد اعظم نے زور دے کر کہا۔
>
> اس پر میں بولا "مگر اس طاقت کے استعمال اور نفاذ کا اختیار گورنروں کو اور وائسرائے کو [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قائد اعظم نے بڑی دلچسپی سے پوچھا "پھر آپ کے نزدیک چارۂ کار کیا ہے؟"

"اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ مسلم اکثریت کے علاقے کلی طور پر آزاد اور خود مختار ہوں" میں نے برجستہ جواب دیا۔

قائد اعظم نے فکر آگیں لہجے میں کہا "اقلیت کے صوبوں میں مسلمانوں کی حفاظت کیونکر ہوگی؟"

میں نے کہا "ہندو اکثریت اور مسلم اکثریت کے علاقوں کی خود مختار دولتوں کے درمیان دوستانہ معاہدات سے یا توازن قوت سے ...."

آپ نے سندھ مسلم لیگ کا رزولیوشن پڑھا؟"

"جی ہاں، پڑھا" اور میں نے یہ مزید کہا "مگر سندھ مسلم کانفرنس مسلمانوں کے لیے مطمح نظر معین نہیں کر سکتی اور اس کا اعلان بھی نہیں کر سکتی۔ یہ آل انڈیا مسلم لیگ کا کام ہے۔ اس کو چاہیے کہ نئے حالات کے لحاظ سے کوئی مطمح نظر معین کرے اور آپ مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے قوم کی رہنمائی کے لیے کوئی ایسی بات کہہ سکتے ہیں"

"میں سندھ مسلم کانفرنس میں شریک تھا" قائد اعظم مسکرا کو بولے۔

"(جی) آپ تھے" کسی مقدمے کے سلسلے میں آپ کا جانا ہوا۔ اتفاق سے اسی زمانے میں کانفرنس تھی۔ آپ بھی اس میں شریک ہو گئے۔ پھر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ رزولیوشن محض اس لیے پاس کیا گیا ہو کہ دیکھیں ہندوؤں پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔"

میری زبان سے یہ نکلا اور قائد اعظم ترچھے ہو گئے اور تیور بدل کر بولے "ہم دکھلاوے کے لیے رزولیشن پاس نہیں کرتے" اب میں نے عرض کیا "تو پھر آپ فرمائیں کہ وہ رزولیشن آپ کے ایماء سے پیش اور منظور ہوا؟"

قائد اعظم نے بات ٹالنے کے لیے کہا "اچھا آپ نے میرٹھ میں نواب زادہ لیاقت علی خان کا خطبہ صدارت سنا تھا؟"

"جی ہاں سنا تھا" میں نے اقرار کیا اور پھر کہا "مگر سندھ کی کانفرنس ایک صوبے کی کانفرنس [illegible] ہندوستان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مسئلے میں ان کی رزولیوشن اور تقریر سند نہیں ہو سکتی۔ آپ مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے مجھے بتائیے کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ وہ میرے آگے بڑھنے کے لیے کافی ہوگی۔" قائد اعظم بیٹھ گئے اور دیر تک جوش سے بولتے رہے

"دس برس ہوئے میں طے کر چکا ہوں کہ یہی کرنا ہے۔"

اسی پس منظر میں مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ کا ستائیسواں سالانہ اجلاس لاہور میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں قائد اعظم نے ہندوستان میں بسنے والی قومیتوں کے آپس کے سیاسی مسائل کا حل ہندوستان کی تقسیم کو قرار دیا۔ انھوں نے فرمایا:

"یہ مسئلہ جو ہندوستان میں ہے، فرقوں اور فرقوں کے درمیان نہیں، بلکہ بین الاقوامی ہے اور اس کو بین الاقوامی ہی مان کر حل کرنا چاہیے۔ جب تک یہ بنیادی حقیقت سمجھ میں نہ آجائے، اس وقت تک جو کوئی دستور وضع کیا جائے وہ تباہی پر منتج ہوگا اور صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ ہندوؤں اور برطانویوں کے لیے بھی مضر اور تباہ کن ثابت ہوگا۔ اگر حکومت برطانیہ اس برصغیر کے باشندوں کے لیے یہ چاہتی ہے کہ ان کو امن اور خوشی حاصل ہو اور اس کی یہ خواہش واقعی مخلصانہ ہے تو اس کی صرف یہ صورت ہے کہ ہندوستان کو تقسیم کر کے بڑی اقوام کے لیے جداگانہ قومی وطن منظور کیے جائیں، جن میں وہ خود اختیاری کے ساتھ قومی ریاستیں قائم کریں۔"

اسی تقریر میں قائد اعظم نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے نظریات میں فرق کی وضاحت کی اور ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ قوم کے طور پر پیش کیا۔ یہی افکار بعد میں تحریک پاکستان کے دو قومی نظریے کی بنیاد بنے۔ آپ نے فرمایا:

"یہ سمجھنا بہت ہی مشکل ہے کہ اسلام اور ہندو مت کی حقیقی فطرت ہمارے ہندو دوستوں کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی۔ وہ (اسلام اور ہندو مت) مذہب کے عام مفہوم میں مذہب نہیں ہیں بلکہ دو جداگانہ اور مختلف اجتماعی نظام بھی ہیں اور یہ محض خواب ہے کہ ہندو اور مسلمان کبھی ایک مشترکہ قوم بن سکیں گے۔ اور یہ ایک ہندوستانی (مشترکہ) قوم کا مغالطہ حدود سے بہت آگے گزر چکا ہے۔ یہ ہماری بہت سی مصیبتوں کا باعث ہے ...... اگر ہم نے جلد اپنے عقائد وخیالات [illegible] ...... ہندوؤں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانوں کا تعلق دو مختلف فلسفوں، معاشرتی رواجوں اور ادبیات سے ہے۔ نہ ان کے درمیان باہم شادیاں ہوتی ہیں، نہ یہ ایک ساتھ بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں ایسی تہذیبوں کے پیرو ہیں جن کی بنیاد متصادم خیالات اور تصورات پر ہے۔"

قائد اعظم نے ہندوستان میں برطانوی حکومت کی آئینی اصلاحات پر بھی تنقید کی اور جمہوری نظام سیاست کو ہندوستان میں ناقابل عمل قرار دیا۔ انہوں نے اس نظام کے مسلمانوں پر اثرات کا اس طرح جائزہ لیا:

"مسلم ہندوستان کو ایسا آئین قبول نہیں جو لازماً" ہندو اکثریت پر منتج ہو۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کو اگر کسی ایسے جمہوری نظام کے تحت یکجا کیا جائے گا جو اقلیتوں پر مسلط کیا گیا ہو تو اس کے معنی صرف ہندو راج ہوں گے۔ جس قسم کی جمہوریت کانگرس کی اعلیٰ قیادت چاہتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلام جو سب سے زیادہ قیمتی ہے، وہ تباہ ہو جائے گا۔"

مسلم لیگ کے کھلے اجلاس میں ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو مولوی فضل الحق نے ایک قرارداد پیش کی۔ اس قرارداد کے متن کے کچھ حصے اس طرح تھے:

"آل انڈیا مسلم لیگ کے اس اجلاس کی یہ سوچی سمجھی رائے ہے کہ اس ملک میں وہی آئین قابل عمل اور مسلمانوں کے لیے قابل قبول ہو سکتا ہے جو ذیل کے بنیادی اصولوں کے مطابق تیار کیا جائے یعنی یہ کہ جغرافیائی لحاظ سے باہم متصل یونٹوں کی خطوں کی صورت میں حد بندی کی جائے اور یہ خطے ضرورت کے مطابق علاقائی ردوبدل کر کے اس طرح قائم کیے جائیں کہ ان علاقوں کو جہاں مسلمانوں کی عددی اکثریت ہے، جیسا کہ ہندوستان کے شمال مغربی اور مشرقی حصوں میں ہے، آزاد مملکتوں کی صورت میں اکٹھا کر دیا جائے جن کے اندر شامل ہونے والے یونٹ خود مختار اور مکمل حاکمیت کے حامل ہوں گے۔"

"یہ کہ ان یونٹوں اور علاقوں کے آئین میں اقلیتوں کے مذہبی، ثقافتی، اقتصادی، سیاسی، نظم ونسق کے متعلق اور دوسرے حقوق کی خاطر ان سے مشورے کر کے کافی اور موثر آئینی تحفظات رکھے جائیں۔ اس طرح سے تحفظات کے ذریعے ہندوستان کے ان حصوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کی حفاظت کا بندوبست کیا جائے۔"

"مزید برآں یہ اجلاس مجلس عاملہ کو ہدایت دیتا ہے کہ وہ ان بنیادی اصولوں کے مطابق ایک آئینی اسکیم مرتب کرے جس میں اس بات کا انتظام کیا جائے کہ دونوں خطے بالآخر اختیارات مثلاً" دفاع، امور خارجہ، مواصلات، کسٹم اور دوسرے ایسے معاملات جو ضروری ہوں، سنبھال لیں۔"

اس قرارداد میں ہندوستان میں مسلم اکثریت کے علاقوں کے لیے علیحدہ (ریاستوں) States کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ۱۹۴۱ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ مدراس میں ریاستوں کے بجائے State کا لفظ استعمال کیا:

"آل انڈیا مسلم لیگ کا نظریہ یہ ہے کہ مسلمانان ہندوستان ایک واحد قومیت ہیں۔ اس نظریے کو بدلنے کی ہر کوشش ناکام بنا دی جائے گی۔ ہر شخص کو یہ بات غور سے سن لینی چاہیے کہ ہم ایک آزاد اور خود مختار ریاست کے قیام کی کوشش کر رہے ہیں، اور برصغیر میں یہ ریاست قائم ہو کر رہے گی۔"

بعد میں اپریل ۱۹۴۶ء کو بھی مسلم لیگ کے ممبران قانون ساز اسمبلی کے کونشن میں قرارداد لاہور میں لفظ "ریاستوں" کی بجائے ایک ریاست کے قیام کا ذکر کیا گیا تھا۔

قرارداد لاہور میں پاکستان کا لفظ موجود نہ تھا، تاہم اگلے دن ہندو اخبارات نے قرداد لاہور کو "قرارداد پاکستان" کی شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کیا۔ اس قرارداد پر مختلف کانگرسی رہنماؤں نے شدید رد عمل ظاہر کیا۔ چند روز بعد ایم۔ کے گاندھی سے پوچھا گیا کہ مسلم لیگ نے تقسیم ہند کا مطالبہ کیا ہے، اس کے بارے میں آپ سول نافرمانی کی تحریک چلائیں گے؟ انہوں نے جواب دیا "میں تسلیم کرتا ہوں کہ لاہور میں لیگ نے جو قدم اٹھایا ہے، اس سے چکرا دینے والی صورتحال پیدا ہو گئی ہے، تاہم میں اسے اتنی چکرا دینے والی نہیں سمجھتا کہ سول نافرمانی کو ناممکن بنا دے۔ مسلمانوں کو ویسا ہی حق خود ارادیت ملنا چاہیے جیسا کہ باقی ہندوستان کو حاصل ہے۔ ہم اس وقت مشترکہ خاندان کی طرح ہیں، خاندان کا کوئی بھی فرد تقسیم کا مطالبہ کر سکتا ہے۔" جواہر لعل نہرو نے قرارداد لاہور کو عجیب وغریب قرار دیا۔ پنجاب کے گورنر نے اس قرارداد کے بارے میں وائسرائے کو بھیجی ہوئی رپورٹ میں کہا "یہ کانگرس کے دعویٰ کا انتہائی ترکی بہ ترکی جواب ہے، جس نے کانگرس کے اس دعویٰ کو تار پیڈو کر دیا ہے کہ [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تجزیہ

کسی بھی تحریک کی کامیابی کے لیے مندرجہ ذیل چیزیں سب سے اہم ہوتی ہیں:

۱۔ تحریک کے نظریات، اس کے لوگوں کے معاشرتی اور اقتصادی مفادات سے متعلق ہوں بلکہ ان کی جڑیں لوگوں کے شعور میں پیوست ہوں۔

۲۔ تحریک کا کوئی نصب العین ہو۔

۳۔ تحریک کے رہنما ایسے ہوں جو مکمل طور پر اپنے لوگوں کے شعور اور ضروریات کو سمجھتے ہوں اور لوگوں کا بھی ان پر مکمل اعتماد ہو۔

۱۹۴۰ء کی قرارداد لاہور تک مسلمانان ہند کے تشخص اور علیحدہ قوم پرستی کی تحریک کو یہ تینوں عناصر میسر ہو چکے تھے۔ مسلمانان ہند جس حال میں ہندوستان میں رہ رہے تھے، اس میں ہندو اکثریت ان کو ہر لحاظ سے دبانے کی کوشش کر رہی تھی اور ان کو زندگی کے ہر میدان میں آنے سے روک رہی تھی۔ اس صورتحال میں مسلمانوں کی اقتصادی اور سیاسی ضروریات نظر انداز ہو رہی تھیں اور ان کی معاشرتی حیثیت کو بھی غیر محفوظ بنایا جا رہا تھا۔ اس تمام صورتحال کے مسلسل رہنے سے، آہستہ آہستہ دو قومی نظریے کی نمو ہوئی اور مسلمانوں نے اپنے آپ کو بحیثیت قوم اپنی سلامتی، اپنی مرضی اور رضا سے زندگی گزارنے کے لیے ایک علیحدہ ریاست کے قیام کا مطالبہ کر دیا۔ اس لحاظ سے دو قومی نظریہ مکمل طور پر مسلمانان ہند کی زندگیوں اور ان کے مجموعی احساس زندگی میں پیوست تھا۔

۱۹۳۷ء کے انتخابات سے پہلے، علاقائی سطح پر مختلف جماعتیں مسلمانوں کے مفادات کے لیے کوشاں تھیں اور مسلمانوں کے سیاسی شعور کے ارتقاء میں یہ ایک اہم درجے اور مقام کی حیثیت رکھتی تھیں۔ مرکزی سطح پر اگرچہ مسلم لیگ کسی طور مسلمانوں کے مفادات کے لیے لڑ رہی تھی مگر مسلمانوں میں عوامی لمانت اس کو حاصل نہ تھی۔ جب تمام علاقائی اور مرکزی رہنماؤں نے مسلمانوں کے لیے علیحدہ ریاست کے قیام کو اہم نصب العین سمجھ لیا تو پھر انہوں نے اس کو حاصل کرنے کی غرض سے تمام مسلمانوں کو ایک وحدت میں پرونے کے لیے باہم اتفاق اور اتحاد کو ضروری سمجھا۔ ایسی صورت میں انہوں نے مسلم لیگ کے ساتھ مکمل اتفاق کیا اور قائد اعظم کی قیادت اور ان کی صلاحیتوں کو بھی شک سے بلند سمجھا۔ یہی وہ دور ہے جب قائد اعظم عام مسلمانوں کے رہنما کے طور پر ابھرنا شروع ہوئے۔ عام لوگ ان کی انگریزی کی [illegible] سامع سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پوچھا کہ آپ قائد اعظم کی انگریزی میں تقریر سمجھ رہے ہیں؟ تو اس نے نفی میں جواب دیا۔ صحافی نے پوچھا تو پھر آپ اتنے انہماک سے کیوں سن رہے ہیں؟ سامع نے جواب دیا کہ مجھے تقریر کا ایک لفظ سمجھ نہیں آ رہا مگر میں بڑے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ شخص جو کچھ کہہ رہا ہے، وہ خلوص سے کہہ رہا ہے اور اس میں ہماری بھلائی ہے ..." یہ واقعہ قائد اعظم کی مسلمانوں میں محبت اور اعتماد کی بہترین مثال ہے۔ یہی تعلق، عام لوگوں اور رہنما کے درمیان ایک ایسا جذبہ قائم کر دیتا ہے جس کے ہوتے ہوئے لوگ کوئی بھی مشکل برداشت کر لیتے ہیں اور اپنے مقصد سے ہرگز نہیں ہٹتے۔

(ماخوذ از "تاریخ پاکستان" مرتبہ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور)

تبلیغ کا وہ ضروری فرض جس کو قرآن وحدیث نہایت زور کے الفاظ سے جتلا رہے ہیں، اس کا جاری کرنا اور اس کی مدد اور کوشش کرنا ضروری اور واجب ہے مگر بوقت تبلیغ ان باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ جن کو ایک سچا اور حقانی مذہب اپنے اصلی اصول اور بنیادی اساس قرار دیتا ہے۔

جو واقعات اپنے یا کسی دوسرے مذہب کے دکھائے جائیں، وہ صحیح اور واقعی ہوں۔ کسی مذہب کے پیشوا اور بانی کی نسبت ناشائستہ اور خلاف شان الفاظ استعمال نہ کیے جائیں، قرآن وحدیث اس کو سختی سے منع کرتے ہیں۔ کسی پر اکراہ واجبار کو کام میں نہ لایا جائے۔ کسی قسم کے مادی مطامع کو معتمد علیہ نہ بنایا جائے۔ کسی قسم کے دباؤ اور قوت کو نہ برتا جائے۔ سخت لہجہ اور درشتی اخلاق سے پرہیز کیا جائے۔ نہایت واضح طریقہ پر ناصحانہ سمجھایا جائے۔ پھر جس کا جی چاہے، دین پر قائم رہے اور جس کا جی چاہے، اپنے آپ کو ہلاک کرے۔

(مولانا حسین احمد مدنیؒ)

© rasailojaraid.com